اس طرح یہ موجود ہو۔ بعض مرتبہ مفتی صاحب کے چند الفاظ بڑی بڑی تقریروں پر بھاری ہوتے تھے۔ ان کا یہ نظریہ تھا کہ اس ملک کو مضبوط اور متحد بنانے کے لیے مسلمانوں کے شرعی قوانین کا تحفظ ہونا ضروری ہے۔ اپنے اس نظریہ پر وہ آخر وقت تک قائم رہے۔

جب اس ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کی کثرت ہوئی تو یہاں کے ذمہ دار مسلمان رہنماؤں نے ایک تنظیم مسلم مجلس مشاورت قائم کی مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ ان چند شخصیتوں میں سے ہیں جنھوں نے اس کے قیام کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ دراصل یہ تنظیم مفتی صاحب کی شرکت اور صدارت کی وجہ سے اور زیادہ مستحکم ہوگئی۔ اس تنظیم نے فسادات کے خلاف ملک کی رائے عامہ کو بیدار کرنے میں ان کی وجہ سے پیدا ہونے والی مایوسی کو دور کرنے کے لیے جو اہم کردار انجام دیا وہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی شخصیت کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوگیا۔ ان کا مقصد اس تنظیم کے ذریعہ مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنا اور ان کی شکایتوں کا ازالہ تھا اور اس سلسلے میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بحران میں ہمیشہ انھوں نے حق پسند گروپ کا ساتھ دیا اور کوشش کی کہ یونیورسٹی کی انتظامیہ بغیر کسی مداخلت کے اپنے فرائض ادا کرسکے اور یونیورسٹی کے وقار کو بحال کرسکے۔ اس سلسلے میں دیگر اکابر ملت کے ساتھ مفتی صاحب بار بار علی گڑھ تشریف لے گئے اور وہاں قیام کرکے حالات کو درست کرنے میں کافی معین و مددگار ثابت ہوئے۔

راقم السطور کو مفتی صاحب سے پہلی ملاقات کا شرف علی گڑھ میں زمانۂ طالبعلمی میں ہوا اور آخری ملاقات ۱۲ رمئی کو انتقال سے چند گھنٹے قبل تقریباً سوا دس بجے

ہوئی جب کہ مفتی صاحب پر بے ہوشی طاری تھی اور سب کا خیال تھا کہ اب وہ چند گھنٹے کے مہمان ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں جب میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اسٹاف میں شامل ہوا تو مفتی صاحب سے ربط و ضبط میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا اور ہفتہ میں ایک بار عام طور پر مفتی صاحب کے یہاں حاضر ہونا معمول سا بن گیا تھا اگر کسی وجہ سے دیر میں جانا ہوتا تو فوراً سوال ہوتا کہ کہاں تھے اتنے دن کے بعد کیوں آنا ہوا۔ مفتی صاحبؒ نے ہمیشہ احقر کی حقیر چیزوں اور تحریروں کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ہمت افزائی فرمائی۔ یہاں تک کہ ندوۃ المصنفین کا رفیق اعزازی بغیر کسی استحقاق و صلاحیت کے ازراہ شفقت بنایا۔ اس ادارہ سے چھپی ہوئی احقر کی کتاب "اسلام کے فلسفۂ سیاسیات کی بنیادیں" دراصل مفتی صاحب کی ہمت افزائی کے نتیجہ میں ہی وجود میں آئی۔

مفتی صاحب بعض فقہی مسائل میں کافی وسیع النظر تھے چنانچہ ایک مجلس میں تین طلاقوں کے مسئلہ میں وہ کہا کرتے تھے کہ فقہاء کو اس پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنی علالت کے دوران جب صاحب فراش تھے تو احقر سے کہا کہ اگر میں صحت مند ہوتا تو علماء کا ایک کنونشن منعقد کراتا اور اس مسئلہ پر غور کرنے کی دعوت دیتا کیونکہ ان کے نزدیک یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور اجتہادی مسائل میں وہ وقت کے تقاضوں کے تحت دوبارہ غور و فکر کرنے کے متفق تھے۔

مفتی صاحب کی قوت حافظہ قابل رشک تھی۔ فالج کے دورہ کے بعد اس میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس جان لیوا دورے کے تقریباً چھ ماہ بعد ایک مسئلہ فتویٰ کے لیے آیا۔ بستر پر لیٹے لیٹے جب کہ کتاب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے مجھ سے فرمایا کہ فتاویٰ عالمگیری کے فلاں باب میں فلاں عنوان کے تحت اس مسئلہ کا جواب درج ہے۔ تم کتاب دیکھ کر تحریر کر لاؤ۔ چنانچہ میں نے جامعہ ملیہ کی لائبریری میں آکر فتاویٰ

عالمگیری سے وہ عبارت نقل کی اور مفتی صاحب کی خدمت میں لے گیا اور پڑھ کر سنایا تو کہا صحیح ہے۔ اس کے بعد مجھ سے باقاعدہ فتویٰ لکھوایا اور اپنے بھانجہ شاداب میاں سے کہا کہ میری طرف سے دستخط کر دو۔ اس زمانہ میں مفتی صاحب فالج کے اثر کی وجہ سے ہاتھ سے نہیں لکھ سکتے تھے۔ میں اس یادداشت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کے جو عربی الفاظ زبانی بستر علالت پر بتائے تھے اسی طرح وہ کتاب کے اندر موجود تھے۔ مفتی صاحب کے اس حافظہ کے شاہد اور بھی حضرات ہیں۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ فالج کے دورہ کے بعد حافظہ کم ہونے کے بجائے بڑھ گیا تھا۔

علالت کے دوران جب بھی میں مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو جامعہ ملیہ کے متعلق مستقل سوالات کرتے رہتے اور جاننے والے حضرات کا نام لے لے کر ان کے بارے میں دریافت کرتے۔ اسی طرح دیگر مسائل پر بھی گفتگو کرتے، آخری دور میں بات کے درمیان رقت طاری ہو جاتی۔ ان حالات کے پیش نظر ڈاکٹروں نے ہدایت کی کہ بات چیت کم سے کم کی جائے لیکن حضرت مفتی صاحب کو اپنی بیماری کی فکر نہیں تھی بلکہ دوسروں کے تفکرات زیادہ تھے۔ اس وجہ سے اس کا اہتمام کیا گیا کہ ملاقات کم ہو، لیکن مفتی صاحب پر یہ بھی شاق گزری تھی اور خدام عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھے۔

ان تنظیموں کے علاوہ جن کا تذکرہ اوپر کی سطور میں گزر چکا ہے۔ مفتی صاحبؒ مندرجہ ذیل اہم اداروں سے بھی وابستہ تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر اور تھیالوجی فیکلٹی کی کمیٹیوں وغیرہ کے ممبر تھے، فتحپوری ہائر سکنڈری اسکول دہلی کے صدر مدرسہ حسین بخش دہلی کے صدر رہ چکے تھے اور آخری دور میں ممبر تھے۔ مدرسہ عبد الرب دہلی کے صدر، مسلم کلچرل وایجوکیشنل سوسائٹی جامعہ نگری دہلی

(جس کے تحت مدرستہ البنات چل رہا ہے) کے صدر تھے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اہم رکن رہ چکے تھے اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ کے ممبر تھے۔ ان کے علاوہ لاتعداد ایسے ادارے انجمنیں تنظیمیں تھیں جن سے سرپرستانہ تعلق ان کا تھا۔

انتقال کے وقت مفتی صاحب کے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ سب سے بڑے لڑکے مجیب الرحمان صاحب ایتھوپیا میں ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں ہیں اس لیے وہ جنازے میں شریک نہیں ہو سکے۔ ان کے بعد منیب الرحمان صاحب ہیں جن کی اُردو بازار میں دوائیوں کی بڑی ایجنسی ہے۔ پھر صاحبزادی کا نمبر آتا ہے جن کا نام مجیبہ صاحبہ ہے ان کے شوہر اظہر صدیقی صاحب آج کل دہلی میں ہی ہیں۔ پہلے وہ دارالعلوم دیوبند میں ملازم تھے، علالت کے دوران مفتی صاحب کی ان نیک صاحبزادی نے جس طرح والد بزرگوار کی خدمت کی ہے وہ مثالی ہے۔ لڑکوں میں تیسرے صاحبزادے عمید الرحمان صاحب ہیں جو ندوۃ المصنفین کے جنرل منیجر ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے نجیب الرحمٰن صاحب گورنمنٹ آف انڈیا کی پیپر کارپوریشن میں ایک آفیسر ہیں، اللہ جل شانہٗ ان سب حضرات کو اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور مفتی صاحب کے درجات عالیہ کو بلند کرے نیز اس خلاء کو پورا کرے جو ان کی وفات سے اس ملک کے مسلمانوں میں ہو گیا ہے۔

EHSANAT KI CHATTAN

احسانات کی چٹان

از: مولانا الحاج عبدالکریم پاریکھ صاحب

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے میرے تعلقات ۱۹۶۶ء سے حضرت کے آخری ایّام تک رہے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کے بارے میں تو ان کے ہم عصر علماء کرام میں بڑے بڑے لوگوں کے قلم سے جو کچھ لکھا جائے گا وہ تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن ہم جیسے چھوٹے لوگوں نے حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ عثمانی سے جو کچھ فیض پایا، تربیت حاصل کی اور حضرت مرحوم سے وہ بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا جو ہم جانتے نہیں تھے۔ اس لیے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے "میرے تعلقات" پر لکھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

۱۹۶۴ء کا زمانہ غالباً ۱۹۶۴ء کا زمانہ رہا ہوگا۔ جب ڈاکٹر سید محمود صاحب مرحوم (وزیر خارجہ حکومت ہند) سے ہندوستانی مسلمانوں کے الجھے ہوئے معاملات پر میری ان کی خط و کتابت بار بار ہوتی رہی۔ اور ہم دونوں کے خیالات اور سوچنے کا طریقہ یکساں تھا۔ چونکہ ۱۹۶۴ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہٗ العالی کی پکار پر لکھنؤ میں مسلمانانِ ہند کے مسائل پر ایک مشاورتی اجتماع ہوا۔ اور یہیں سے مشاورت کا قیام عمل میں آیا۔

ملت کے لیے قربانی ڈاکٹر سیّد محمود بہت جہاں دیدہ مدبّر آدمی تھے۔ اسی زمانے میں حضرت مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانیؒ سے ان کا خاصہ جوڑ تھا۔ میں یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ کل ہند مجلس مشاورت میں اس کے بانیوں کا جو حصہ رہا ہے اس میں سب سے زیادہ قربانی، ایثار اور سخت حالات میں بڑے صبر کے ساتھ ملّت کی اس کشتی کو طوفان میں چلائے جانا حضرت مفتی صاحب مرحوم کا ہی حصّہ تھا۔

میں جب پہلے پہل ان سے متعارف ہوا پھر سلسلے وار ملاقاتیں اور اسفار اور جلسوں میں ایک ساتھ رہنے کا مجھے الحمدللہ خاصہ موقع ملا۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کی وفات کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس خلاء کو اب پر نہیں کیا جا سکتا لیکن اللہ نے اپنی غیبی تائید سے مفتی صاحبؒ کو کھڑا کر دیا اور آج جو کچھ آپ ہندوستانی مسلمانوں کی تنظیمیں ان کی اچھی بھلی آوازیں ان کی ملکی، ملّی، سیاسی تنظیمیں دینی و اصلاحی جتنی چھوٹی بڑی تحریکیں دیکھ رہے ہیں ان سب میں حضرت مفتی صاحب مرحوم کے تعاون کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا مسلم مجلس مشاورت کے کل ہند پیمانے کے دوروں میں مسلمانانِ ہند کی ہمت کو بڑھا دیا اور ان کے ٹوٹے دلوں کو سہارا دے کر جوڑ دیا اس میں کوئی ایک دورہ یا سفر ایسا نہیں ہے جس میں مفتی صاحبؒ شامل نہ ہوں۔

مولانا ابوالّلیث جماعت اسلامی ہند سے لوگ بہت خائف تھے حکومت بھی، عوام بھی، یہ مفتی صاحب مرحوم کا بہت بڑا کارنامہ ہے کہ جماعت کے قائد حضرت مولانا ابوالّلیث اصلاحی صاحب کو مفتی صاحب نے سامنے لاکر ان کی شخصیت کو متعارف کرایا۔